دیرہ کے سائے

طاہر جاوید مغل

شائقین اپنی پسند کے کرداروں کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں... انہیں اپنی دھڑکنوں میں بسا لیتے ہیں... کیونکہ ان میں انہیں اپنی خواہشات اور خوابوں کی تعبیر نظر آتی ہے... کرداروں کی یہ پرچھائیاں ،سانس لینے لگتی ہیں... ایسے ہی دلوں میں زندہ رہنے والے کرداروں کی بھرپور جھلک جو آپ کو ماضی کے خوب صورت درو دیوار میں قید کر دیتی ہے...

عمران جونیئر اور اس کی ذات میں بسی پُراسراریت...

میں گھر میں اپنے کمرے میں تھا اور صرف ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ بالائی جسم عریاں تھا۔ ائرکنڈیشنر 16 کے ہندسے پر تھا اور پورے کمرے میں بھرپور ٹھنڈک تھی۔ اب جو بات میں آپ کو بتانے جا رہا ہوں، وہ یقیناً کافی حیران کن ہوگی۔ یہ دسمبر کا مہینہ تھا اور پورے لاہور میں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ جی ہاں، یہ میرا وہی رہن سہن تھا جو میں نے پچھلے اٹھارہ بیس برس سے اپنایا ہوا تھا۔ سخت گرمی، سردی کو جھیلنا، اپنے جسم کو غیر معمولی مشقت سے توڑنا اور

اپنی قوتِ برداشت کو بڑھانے کی کوشش جاری رکھنا۔ اب یہ سب کچھ میرے جسم کی ضرورت بن چکا تھا۔ یہ تکلیفیں مجھے راحت دیتی تھیں اگر یہ نہیں ہوتی تھیں تو ایک مہیب خلا محسوس ہوتا تھا۔

ٹی وی آن تھا۔ پنجاب کے ایک علاقے میں غیر متوقع بارش نے تباہی مچا دی تھی۔ اس کی فوٹیج وغیرہ چل رہی تھی۔ ایک تنومند صوبائی وزیر صاحب بڑے طنطنے سے موقع پر موجود تھے اور مصیبت زدگان کی امداد فرما رہے تھے۔ آٹے کی بوریاں اور گھی کے ڈبے تقسیم ہو رہے تھے۔ وزیر موصوف کو امدادی کارروائی سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ ان کی تصویر صحیح زاویے اور صحیح ایکسپریشن کے ساتھ آئے۔ ایک بزرگ نے ان کے ''دستِ مبارک'' سے آٹے کا ''توڑا'' لے کر اپنے سر پر رکھا۔ وزیر صاحب نے بہتر پوز کے لیے تین چار تصویریں اتروائیں۔ تب تک بزرگ کی دبلی پتلی گردن آٹے کے توڑے کے نیچے کانپتی رہی۔ پتا نہیں کہ خودنمائی کا یہ سلسلہ کب تک چلنا تھا۔ میں نے ٹی وی آف کر دیا اور سوچنے لگا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیوں امداد خیرات کے نام پر غربت کو تماشا بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے دین میں حکم ہے...... مستحق کی مدد اس طرح کرو کہ ایک ہاتھ کو دو اور دوسرے کو پتا نہ چلے۔

دروازے پر مدھم دستک ہوئی، میں نے کندھوں پر تولیا ڈالا اور دروازہ کھولا۔ سامنے ہماری پرانی ملازمہ کرن کھڑی تھی۔ اپنے نام کے برعکس وہ خاصی موٹی تازی تھی۔ عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی اور ایک دھان پان شوہر کی ''مالکہ'' بھی تھی۔ اس نے کہا۔ ''صاحب جی! ایک لڑکی ملنے آئی ہے۔ اپنا نام ماہین بتا رہی ہے۔''

میں ٹھٹک گیا۔ گھڑی دیکھی۔ وقت کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ سہ پہر کے چار بج گئے تھے۔ کل فون پر ماہین سے بات ہوئی تھی۔ اس نے آنے کا کہا تھا۔

میں نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہ حسبِ توقع جین اور جرسی میں دکھائی دے رہی تھی۔ بال ٹائٹ جوڑے کی شکل میں بندھے تھے۔

''گڈ آفٹر نون انکل۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''ویلکم ماہین! سوری...... تمہیں چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔''

وہ عجیب انداز میں مسکرائی۔ ''آج یہ سوری والا لفظ آپ میرے کہنے کے لیے رہنے دیں۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے صوفے پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

وہ بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے اُڑس کر بولی۔ ''انکل! میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔ اس واقعے کو دو ہفتے گزر گئے ہیں مگر سب کچھ اب بھی میرے ذہن میں تازہ ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

وہ اس واقعے کا ذکر کر رہی تھی جب میں اور عمران جونیئر، شاہین سے ملنے کے لیے اس کی کوٹھی پہنچے تھے اور ماہین نے بالکل غیر متوقع طور پر ہمارے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ بعدازاں اس نے عمران کو مارا تھا۔ بلکہ شاید یوں کہنا چاہیے کہ عمران نے اس سے مار کھائی تھی پھر گھر میں گھس بیٹھیے آ گئے تھے اور ماہین کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ وہ سب کچھ بڑا ڈرامائی تھا۔

میں نے کہا۔ ''ماہین! وہ جو کچھ ہوا، اس کو دہرانے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ وہ سب کچھ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ میرا دل تمہارے لیے بالکل صاف ہے۔''

''تھینک یو انکل۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔ پھر ذرا توقف کر کے مسکرائی۔ ''اور انکل! آپ کا وہ بھتیجا؟''

''اسے بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔''

''ویسے وہ کچھ عجیب سا ہے۔ لگتا ہے کہ اوپر سے کچھ، اندر سے کچھ اور ہے۔ میری طرف سے اسے بھی سوری کہہ دیجیے گا۔'' میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ کچھ دیر اپنی انگلیوں سے کھیلتی رہی پھر ذرا بدلے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ویسے انکل تابش! آپ سے میری ایک درخواست ہے۔ دراصل میں یہی درخواست کرنے کے لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔''

میں نے دھیان سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''تمہاری درخواست سے پہلے ہی میں جان گیا ہوں کہ کیا کہنا چاہتی ہو۔'' اس نے چونک کر مجھ پر نگاہ ڈالی۔ میں نے کہا۔ ''تم چاہتی ہو کہ ہم فی الحال تمہاری آپی شاہین سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ یہی بات ہے نا؟''

وہ حیران نظر آئی۔ ''آپ تو واقعی پولیس والوں کی طرح ہیں۔ بڑی گہری نظر ہے آپ کی۔''

''شکریہ، کچھ اور؟''

''بس انکل! آپ نے میری ایک بڑی پریشانی دور کر دی ہے۔ آپ کا بھتیجا آپ کے دوست عمران دانش سے اس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ مجھے خوف آنے لگا ہے۔ اسے دیکھ کر آپی کے سارے پرانے زخم ہرے ہو جائیں گے۔''

بات کرتے ہوئے ماہین کی پیشانی چمکنے لگتی تھی اور

خوب صورت آنکھوں میں ایک روشنی سی نمودار ہوجاتی تھی۔ عمران کا خیال تھا کہ اس کی آنکھوں میں مقناطیس چھپے ہوئے ہیں جو ارد گرد کی ہر شے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ وہ آج کل رات دن اس کی غائبانہ تعریفوں میں مصروف تھا۔

اتنے میں ماہین کے فون پر کال کا میوزک ابھرا۔ اس نے اسکرین دیکھی۔ چہرے پر رنگ سا گزرا اور اس نے کال ریجیکٹ کردی۔

''کون تھا؟'' میں نے بے تکلف انداز میں پوچھا۔

''کک...... کوئی نہیں۔''

''جو کوئی نہیں ہوتا...... وہ کبھی کبھی کافی کچھ ہوتا ہے۔'' میں زیرِلب مسکرایا۔

وہ چند سیکنڈ کے لیے سنجیدہ نظر آئی پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کے نوخیز چہرے پر حیا کا ہلکا سا رنگ بکھر گیا۔ پھر اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی۔ ''آپ تو بہت دور، دور کی کوڑی لے آتے ہیں۔''

''بوائے فرینڈ ہے؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

اس نے پلکیں جھکا لیں تاہم لہجے میں بے باکی برقرار رہی۔ ''آپ ففٹی پرسینٹ کہہ سکتے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

مجھے فوراً عمران جونیئر کا خیال آیا۔ ''وہ تو مارا گیا مفت میں۔'' میں بڑبڑایا۔

''جی کیا کہا آپ نے؟''

''کچھ نہیں...... سوچ رہا ہوں، وقت کتنا بدل گیا ہے۔ اب لڑکیاں بیکار میں شرماتی نہیں۔ جو دل میں ہوتا ہے ٹھک سے کہہ دیتی ہیں۔''

اس کی آنکھوں میں شوخی ابھری۔ ''ملنا چاہیں گے اس سے؟ میرا مطلب ہے یہاں سے اس کا آفس زیادہ دور نہیں ہے۔ ابھی دس منٹ میں پہنچ جائے گا۔''

''کیا کرتا ہے؟''

''فرم ہے امپورٹ ایکسپورٹ کی۔ والد سرکاری افسر تھے۔ اب ریٹائر ہوچکے ہیں۔''

''چلو بلا لو بھئی، دیکھیں کہ تمہاری پسند کیسی ہے؟''

اس نے بلاتردد فون پر نمبر پریس کیا پھر بات کرتے ہوئے کوریڈور کی طرف چلی گئی۔ واقعی آٹھ دس منٹ بعد میری کوٹھی کے گیٹ پر اس کی گاڑی کا ہارن سنائی دے گیا۔ میں نے سی سی ٹی وی کی اسکرین پر دیکھا۔ دو تین سال پہلے والے ماڈل کی اسپورٹس کار تھی۔ اس میں سے درمیانے قد اور چوکور چہرے والا ایک نوجوان باہر نکلا۔ دو منٹ بعد وہ ہمارے سامنے تھا۔ اس کا لباس قیمتی تھا۔ بال اسپائس کے اسٹائل میں بنے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں مہنگا موبائل تھا۔ سلام کر کے وہ بے تکلفی سے ماہین والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ قبول صورت نوجوان تھا۔ گفتگو بھی اچھی کرلیتا تھا۔ جب اسے پتا چلا کہ میرا تعلق پولیس کے محکمے سے ہے تو تھوڑا سا ''ریزرو'' نظر آیا، تاہم میرے رویّے نے اسے جلد ہی نارمل کردیا۔ وہ یہ جان کر حیران ہوا کہ اس درمیانی عمر میں بھی میں اس قدر فٹ ہوں اور بھرپور طریقے سے مارشل آرٹ کے ساتھ جڑا ہوا ہوں۔ کہنے لگا۔ ''انکل! آپ عام پولیس والوں سے بہت مختلف لگتے ہیں۔''

ابھی ہماری گفتگو جاری تھی کہ میرے کان کھڑے ہوئے۔ مجھے عمران کی پھٹیچر موٹر بائیک کی مدھم پھٹ پھٹ سنائی دی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ چوکیدار یا گارڈ اسے نہیں روکے گا اور ایسا ہی ہوا۔ دو تین منٹ بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا آدھمکا۔ لباس ہمیشہ کی طرح بے ڈھنگا ہی تھا۔ وہاں میرے پاس ماہین کو بیٹھے دیکھ کر وہ پہلے تو ٹھٹکا پھر حسبِ عادت بتیسی نکال دی اور چہکا۔ ''واہ جی واہ، یہاں تو بڑی اہم شخصیات آئی بیٹھی ہیں۔ السلام علیکم جی سب کو۔''

''وعلیکم السلام۔'' میں نے اور حشام نے کہا۔

(حشام، ماہین کے بوائے فرینڈ کا نام تھا)

میرے اشارے پر وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی سوالیہ نگاہیں حشام کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

''یہ...... آپ کے بھائی ہیں؟'' اس نے ماہین سے پوچھا۔

''نہیں، بھائی جان!'' وہ فوراً چہک کر بولی۔

میں زیرِلب مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔ عمران نے کہا۔ ''اوہ سوری، آپ دونوں کی شکلیں کچھ کچھ ملتی ہیں اس لیے مجھے شک ہوا۔''

حشام نے اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہا۔ ''جو لوگ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، آہستہ آہستہ ان کی شکلیں بھی آپس میں ملنے لگتی ہیں۔''

عمران نے ہونٹ سکیڑے۔ مجھے لگا، اس کے چہرے پر رنگ سا آکر گزر گیا ہے۔ میں نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ ''عمران! یہ حشام ہے، ماہین کا سابقہ کلاس فیلو اور دوست...... اور حشام یہ عمران ہے۔ میرے بہت گہرے دوست کا بیٹا۔ میرے لیے بیٹوں کی طرح ہی ہے۔''

''یہ کیا کرتے ہیں؟'' حشام نے پوچھا۔

ماہین بولی۔ ''جو کچھ نہیں کرتے، وہ بھی کمال کرتے ہیں۔ویسے آج کل یہ جاب ڈھونڈ رہے ہیں۔''

حسام مسکرایا اور اس کی ناک تھوڑی سی پھیلی ہوئی نظر آنے لگی۔ ''جاب ڈھونڈنا بھی تو ایک کام ہی ہوتا ہے نا جی...... میرا خیال ہے ابھی جس موٹر بائیک کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ عمران صاحب ہی کی تھی۔''

عمران نے فخریہ انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی ہاں......لگتا ہے کہ آپ کے کان کافی تیز ہیں۔''

ماہین طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ ''اور لگتا ہے کہ آپ کی نظر زیادہ تیز نہیں ہے...... آپ کے جوگر کا تسمہ کھلا ہوا ہے، باندھ لیجیے۔''

''اوہ۔'' عمران نے چونکنے کی اداکاری کی اور جھک کر تسمہ باندھنے لگا اور اسی طرح جھکے جھکے بولا۔ ''ویسے یہ تسمہ بھی آزار بند کی طرح ہی ہوتا ہے۔ کھل جائے تو سب انگلیاں اٹھانے لگتے ہیں۔ میں جب پریشان ہوتا ہوں تو عموماً یہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے تسمہ۔'' اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''خیریت ہے؟ تمہیں کیا پریشانی لاحق ہوگئی؟'' میں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''ہاں چاچو جی، اب تو خیریت ہی ہے۔ دراصل دو تین دن کافی پریشانی رہی شادی کے سلسلے میں۔ اللہ کا شکر ہے، اب انتظام ہو گیا ہے۔''

وہ اپنے محلے کی اس لڑکی کی شادی کی بات کر رہا تھا جسے اس نے بہن بنایا تھا۔ وہ لوگ بہت تہی دست تھے۔ عمران شادی کے سلسلے میں ان کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ تقریباً پانچ چھ لاکھ کا خرچ تھا۔ محلے کے دو تین خوش حال افراد نے بھی کچھ مدد دی تھی۔ میں نے بھی حصہ ڈالا تھا۔

''باقی پیسوں کا کیا ہوا؟'' میں نے پوچھا۔

''شکر ہے اللہ کا۔ حاجی فراز صاحب عمرے سے واپس آ گئے۔ کل شام انہوں نے پورے پانچ لاکھ روپے کیش بھجوا دیا۔ اللہ ان کو صحت اور لمبی عمر عطا کرے، بڑے دل والے ہیں۔''

''یہ شادی کا کیا معاملہ ہے جی؟'' ماہین نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

میں نے اسے بتایا کہ عمران جس محلے میں رہتا ہے وہاں ایک بہت ضرورت مند گھرانا ہے۔ وہ لوگ بچی کو عزت سے رخصت کرنا چاہتے ہیں۔

''اب تو کوئی مسئلہ نہیں؟'' میں نے عمران سے پوچھا۔

''چھوٹا سا مسئلہ ہے اسی لیے آیا ہوں۔''

''فرمائو۔''

''تھوڑے سے جہیز کی ڈیمانڈ بھی تھی، اس کے علاوہ سونا اتنا مہنگا ہے کہ کافی ساری رقم دو انگوٹھیوں اور دو جھمکوں پر نکل گئی ہے۔ لڑکی کے گھر والے چاہ رہے ہیں کہ شادی ہال ڈھونڈنے کے بجائے محلے کے گراؤنڈ میں ہی ٹینٹ وغیرہ لگا لیے جائیں۔ مگر مقامی نائب ناظم روڑا اٹکا رہا ہے۔ میرے خیال میں آپ اسے ایک فون کر دیں تو بات بن جائے گی۔''

میں نے اسی وقت اس سے نمبر لے کر فون کیا۔ تھوڑی سی پس و پیش کے بعد وہ بندہ مان گیا اور عمران خوش نظر آنے لگا۔

''یہ لیجیے عمران صاحب، اس سلسلے میں یہ چھوٹا سا نذرانہ میری جانب سے بھی رکھیے۔'' ماہین کے پہلو میں بیٹھے حسام نے دو نوٹ نکال کر عمران کی طرف بڑھائے۔ یہ پانچ پانچ ہزار کے تھے۔

عمران نے پہلے تو انکار کیا پھر میرے کہنے پر رکھ لیے۔ تاہم مجھے اندازہ ہوا کہ حسام یہ جو حصہ ڈال رہا ہے اس میں خدا ترسی سے زیادہ تفاخر اور امارت کا اظہار ہے۔ غالباً وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ہر جگہ اور ہر موقع پر اپنا اسٹیٹس بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ غالب امکان تھا کہ وہ ماہین کو بھی امپریس کرنا چاہتا ہے۔

عمران چلا گیا۔ اس کی بائیک کی پھٹ پھٹ معدوم ہوگئی تو ماہین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مائنڈ نہ کیجیے گا انکل! یہ واقعی شادی ہو رہی ہے یا......''

''نہیں ماہین......'' میں نے اس کی بات کاٹی۔ ''وہ ایسا نہیں ہے۔ بہت مختلف ہے عام لوگوں سے۔ بے شک کچی پکی آبادی میں رہتا ہے۔ فی الحال ذرائع آمدن بھی نہیں ہیں، لیکن دل بڑا ہے، علاقے والے اسے ہیرو بھائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے اس کے والد بھی......''

''ہاں پتا ہے انکل...... خیر چھوڑیں اس بات کو، پھر گفتگو لمبی ہو جائے گی...... آپ یہ بتائیں کہ ہمارے گھر کب آ رہے ہیں؟''

میں نے کہا۔ ''اگر جوڈو کراٹے نہیں کرو گی تو ''ویک اینڈ'' پر چکر لگاؤں گا۔''

''سوری انکل...... ایک بار پھر ویری ویری سوری۔''

وہ خجل ہو کر بولی۔ پھر ایک دم جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ ”اور انکل، ان غنڈوں کا کیا بنا جو اُس روز گھر میں گھسے تھے؟“

میں نے کہا۔ ”وہ جوڈیشنل ریمانڈ پر جیل میں ہیں۔ ان کی طرف سے بے فکر رہو۔ اب وہ تمہارے پاس سے بھی نہیں گزریں گے، انشاء اللہ۔“

☆☆☆

حاجی فراز ایک ثروت مند شخص تھے۔ بقول عمران خدا ترس اور مخیر بھی تھے۔ میں نے کئی بار اس سے کہا کہ ان سے ملواؤ مگر وہ آئیں بائیں شائیں کر گیا۔ ایک دن میں نے اپنے خاص مخبر نوشا سے کہا کہ وہ حاجی فراز کا پتا چلائے۔

دو روز بعد شام کے وقت نوشا کا فون آ گیا۔ ”جی سر! تھوڑا بہت پتا چلا ہے حاجی صاحب کے بارے میں۔“

”ہاں کہو۔“

”نیک آدمی ہیں۔ علاقے کے ضرورت مند لوگوں کی خبر رکھتے ہیں۔ پچھلے چند ماہ میں دو تین یتیم لڑکیوں کی شادیاں کرا چکے ہیں۔ کئی مستحق بچوں کی تعلیم کا خرچہ ادا کر رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک فری ڈسپنسری بھی علاقے میں بنائی ہے۔ پچھلے سال دسمبر میں علاقے کے بزرگ پوسٹ مین کی ہارٹ سرجری انہوں نے اپنے خرچے پر کروائی تھی۔ اس کے علاوہ......“

”یار، یہ سب کچھ مجھے پتا ہے۔“ میں نے اس کی بات کاٹی۔ ”میں نے تمہیں یہ ہسٹری نکالنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یہ حاجی صاحب پائے کہاں جاتے ہیں؟“

”وہ اس سلسلے میں بہت محتاط ہیں جی۔ شاید ہی دو چار بار لوگوں کے سامنے آئے ہوں۔ وہ یہ سب کچھ درپردہ کر کے خوش ہوتے ہیں۔ آپ کے کہنے پر میں بہشت کالونی بھی گیا تھا مگر ابھی تک تو اس کالونی میں مجھے ان کا کھوج نہیں ملا۔“

”تو پھر اب تک تم نے جھک ہی ماری ہے۔ تم سے ”گزارش“ کی تھی کہ وہ اس کالونی میں ہی کہیں رہتے ہیں۔ ان کا اتا پتا معلوم کرو۔“ میں نے جھلّائے ہوئے انداز میں فون بند کر دیا۔

نوشا میری جھنجلاہٹ کا خاصا اثر لیتا تھا، میں جانتا تھا کہ اب وہ کوئی نہ کوئی سراغ ڈھونڈ کر ہی مجھے فون کرے گا۔ پتا نہیں کیوں کسی وقت مجھے بھی عمران پر کچھ شک سا ہونے لگتا تھا۔ اس شک کو بُرا تو نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ پریشان کن

میڈیکل غزل

چلو آؤ اب موسم کا مزہ چکھیں
تمام دوائیں بچوں کی پہنچ سے دور رکھیں
تم سے ملنے کی اب کیا جستجو کریں
طبیعت زیادہ خراب ہو تو ڈاکٹر سے رجوع کریں
ہماری چاہت کا کچھ تو خیال کریں
سیرپ کو اچھی طرح ہلا کر استعمال کریں
دل میرا ٹوٹ گیا اٹھی جب اس کی ڈولی
صبح دوپہر شام، ایک ایک گولی
دل میرا عشق کرنے پر رضامند رہے گا
جمعہ کے دن کلینک بند رہے گا

کوٹلی سے حمیرا اقبال کی حکیمانہ شاعری

ضرور تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا کوئی روزگار نہیں۔ جو پیسے وہ انڈیا سے لے کر آیا تھا، وہ ختم ہو چکے تھے۔ اب وہ کہاں سے پیسے لے رہا تھا؟ اس نے حاجی فراز کا نام لیا تھا لیکن فی الحال حاجی فراز سے بھی ”ملاقات“ نہیں ہو پا رہی تھی۔ انڈیا میں اپنی فیملی کے بارے میں بھی عمران نے ابھی تک تفصیلی معلومات نہیں دی تھیں۔ ایک بات اور تھی، کسی وقت وہ بہت کنجوسی کا مظاہرہ بھی کر جاتا تھا۔ کسی کی کہی ہوئی بات بار بار ذہن میں آ رہی تھی۔ اچھوں سے بُرے اور بُروں سے اچھے پیدا ہوتے ہیں۔ باپ اچھا ہو تو ضروری نہیں کہ بیٹا بھی نقشِ قدم پر چل رہا ہو۔ ایک دو بار ایسا ہوا تھا کہ کسی کا فون آیا تھا اور عمران نے میرے سامنے فوراً ہی ”ڈس کنکیٹ“ کر دیا تھا یا بات کرنے کے لیے علیٰحدہ کمرے میں چلا گیا تھا۔ ایک ایسی ہی گفتگو میں، میں نے اسے ہندی کے الفاظ استعمال کرتے بھی سنا تھا۔

یہ چوتھے، پانچویں روز کی بات ہے، میں حسبِ معمول صبح سویرے اپنے جم میں مصروف تھا جب میرے انفارمر نوشا کی کال آ گئی۔ ”ایک بڑی اہم نیوز ہے جی آپ

کے لیے۔'' اس نے چھوٹتے ہی کہا۔ لہجے میں دبا، دبا جوش تھا۔

''آگے بولو۔''

''جناب، میں پچھلے دو روز سے آپ کے عمران صاحب کو واچ کر رہا ہوں۔ یہ بہت کائیاں شخص ہے جی۔ اس کا پیچھا کرنے میں مجھے واقعی دانتوں پسینا آ گیا ہے۔ ایک بار تو ایسے ہی لگا کہ پکڑا جاؤں گا۔''

''تمہید باندھ چکے ہو، اب اصل بات بتاؤ۔''

''ہوسکتا ہے کہ میرا کہا غلط ہو...... لیکن یہ بندہ کچھ مشکوک ہے جی۔ کل رات قریباً گیارہ بجے یہ گھر سے نکلا۔ پہلے گلی میں اپنی موٹر سائیکل کو ککیں لگاتا رہا۔ وہ اسٹارٹ نہیں ہوئی تو پیدل چل کر بس اسٹاپ تک پہنچا۔ ایک بس میں سوار ہوا اور گارڈن ٹاؤن کے علاقے میں اتر گیا۔ بہشت کالونی بھی پاس ہی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ حاجی فراز سے ملنے آیا ہے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا اور وہ ہوا جس کی توقع نہیں تھی۔''

دو لمحے توقف کرنے کے بعد نوشا نے بات جاری رکھی۔ ''آپ کو یہ سن کر تھوڑی سی حیرانی ہوگی کہ عمران عرف ہیرو بھائی جس شخص سے ملا ہے، وہ ایک سکھ ہے۔ گارمنٹس کی فیکٹری چلاتا ہے اور اس کا بنایا ہوا مال انگلینڈ اور آئرلینڈ وغیرہ میں بھی سپلائی ہوتا ہے۔ گارڈن ٹاؤن میں ڈیڑھ دو کینال کی کوٹھی میں ٹھاٹ سے رہتا ہے۔ اس کی فرم کا نام جگو اینڈ کمپنی ہے۔''

جگو اینڈ کمپنی ذرا مختلف نام تھا اور یہ نام میں نے بھی کہیں سنا ہوا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا مالک کوئی سکھ ہے۔ ویسے بھی لاہور، پاکستان کے ان شہروں میں سے ہے جہاں سکھ کم کم ہی نظر آتے ہیں۔ البتہ حسن ابدال اور ننکانہ صاحب وغیرہ میں سردار صاحبان عام دیکھے جاتے ہیں۔

چند ہفتے پہلے عمران مجھے اسپیشل سمو سے کھلانے اور تندوری چائے پلانے کے لیے گارڈن ٹاؤن کے علاقے میں لے گیا تھا۔ اس وقت بھی اس نے ذکر نہیں کیا تھا کہ یہاں اس کا کوئی سکھ دوست رہتا ہے۔

میں نے نوشا سے پوچھا۔ ''تمہارا کیا اندازہ ہے؟ عمران کا اس بندے سے کیا ناتا ہوسکتا ہے؟''

''اس بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور جناب! سچ بات تو یہ ہے کہ مزید کھوج لگانے سے مجھے ڈر بھی آ رہا ہے۔ یہ عمران عرف ہیرو ضرورت سے زیادہ چوکنا شخص ہے۔''

''یہ تو شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو۔'' پھر میں نے ذرا توقف سے پوچھا۔ ''جگو اینڈ کمپنی کے بارے میں کچھ اور معلوم ہوا؟''

''کمپنی کے مالک کو جگو سیٹھ کہتے ہیں۔ یہ داڑھی مونچھوں والا ہے، یعنی مونا سکھ نہیں ہے مگر پگڑی نہیں باندھتا۔ علاقے میں اس کا کچھ زیادہ میل جول بھی نہیں۔ ہر پانچ چھ ماہ بعد گاڑی کا ماڈل بدلتا ہے۔ گارڈ شارڈ بھی رکھے ہوئے ہیں...... اس کے علاوہ ایک اور عجیب بات بھی معلوم ہوئی ہے۔ اب پتا نہیں کہ یہ درست ہے یا نہیں لیکن جگو اینڈ کمپنی کے ایک پرانے ملازم نے رازداری کی شرط پر بتائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ جگو سیٹھ دوکھری ٹائپ کے کام کرتا رہتا ہے...... کوئی تین ماہ پہلے وہ ترکی سے دو عورتیں باقاعدہ خرید کر لایا ہے۔ عورتیں کیا وہ لڑکیاں ہی ہوں گی۔ اس نے انہیں گھر میں رکھا ہوا ہے۔''

''شادی شدہ نہیں ہے وہ؟'' میں نے پوچھا۔

''شادی شدہ تو ہے جی، لیکن ایسے لوگوں کو ایسی باتوں کی کیا فکر ہوتی ہے۔ عورتوں کو بھی نئے ماڈل کی گاڑیوں کی طرح ہی سمجھتے ہیں۔'' نوشا کی معلومات قابلِ غور تھیں اور اس سلسلے میں میری دلچسپی اور فکرمندی دونوں بڑھ رہی تھیں۔

اگلے روز سہ پہر کو میں عمران جونیئر سے ملنے اس کے گھر جا پہنچا۔ وہ گھر میں نہیں تھا۔ اس کے دو بے فکرے دوست کچن میں گھسے نہاری بنا رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ پارک میں گیا ہے۔ ایسی گنجان آبادیوں میں چھوٹے موٹے پارک کا ہونا بھی ایک نعمت ہی ہوتا ہے۔ یہ چلڈرن پارک بھی زیادہ بڑا نہیں تھا۔ میں دو تین پُرپیچ گلیوں سے گزر کر وہاں جا پہنچا۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ عمران وہاں بچوں کی ایک سائڈ کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے کو پلاستر کر رہا تھا۔ کئی بچے اس کے اردگرد جمع تھے۔ دو چار بڑے بھی اسے ستائشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

مجھے دیکھ کر اس نے آستین سے پسینا پونچھا اور بقایا کام اپنے ایک ساتھی کو سونپ کر میرے پاس لکڑی کی ایک بینچ پر آ بیٹھا۔ ''یہ کیا کر رہے تھے؟'' میں نے دریافت کیا۔

''بس ٹائم پاس کر رہا تھا۔'' وہ مغموم لہجے میں بولا۔

''کیا مطلب؟''

''آج کل دل بہت اداس ہے چاچو۔ سوچتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ کرتا رہوں۔ کل لڑکوں کے ساتھ مل کر وہ سامنے کرکٹ کی پچ مرمت کی تھی۔ آج اس سلائڈ کو ٹھیک کر رہا

تھا۔“

”خیر سے یہ اداسی کس سلسلے میں ہے؟“

”ایسے بے خبر نہیں ہو تم۔ سب جانتے ہو، میری دنیا کیسے اندھیر ہوئی ہے، آہ...... ماہین، مجھے کیا پتا تھا کہ تم میرے دل پر اتنا بڑا گھاؤ لگاؤ گی۔ کاش میرے سینے میں دل نہ ہوتا اور اگر دل تھا تو پھر غربت نہ ہوتی۔“ اس نے گردن لٹکالی اور آنکھوں میں نمی لے آیا۔ باپ ہی کی طرح زبردست ایکٹر تھا مگر کسی وقت پُراسرار بھی لگتا تھا۔

میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ ”تو اس میں واویلا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مہوش حیات کے ہوتے ہوئے تمہیں بھلا کون سی کمی ہے؟“

اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”تم نہیں سمجھو گے چاچو جانی! میرے سینے میں ایک نہیں کئی دل دھڑکتے ہیں اور ہر ایک دل کے علیٰحدہ مسئلے مسائل ہیں۔ مہوش حیات والا دل مطمئن ہے۔ مہوش تو گھڑے کی مچھلی ہے، جب چاہو بھون کر کھا سکتا ہوں۔ یہ ماہین دریائی مچھلی تھی۔ اس کا کانٹا سیدھا دل نمبر دو میں لگا ہے۔“

اسی دوران میں اس کے فون پر کوئی کال آئی۔ اس نے اسکرین دیکھی اور جلدی سے کال ریجیکٹ کر دی۔

”کون تھا؟“

”وہی مہوش...... ایک فلم کی شوٹنگ چھوڑے بیٹھی ہے۔ کہتی ہے گوجرانوالا جا کر تمہارے ساتھ چڑے کھاؤں گی۔ وہ بے چارہ پروڈیوسر علیٰحدہ میرے ترلے ڈال رہا ہے کہ مہوی سے کہو شوٹنگ نہ چھوڑے...... ہائے ری قسمت...... اب تم خود ہی بتاؤ چاچو، خوب صورت ہونا کوئی جرم ہے...... پتا نہیں کس بات کی سزا مل رہی ہے مجھے۔ انڈسٹری کی آدھی ہیروئنز کو پتا چل گیا ہے کہ میں پاکستان میں ہوں اور جس کو پتا چلنا چاہیے تھا، اس کی آنکھوں میں موتیا آگیا ہے۔“

”وہ کون؟“

”یہی ماہین...... چاچو! تم نے دیکھا نہیں تھا کتنی بیدردی سے اس نے اپنے بوائے فرینڈ کا تعارف کرایا مجھ سے۔“

میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ”تم اصل بات گول کر رہے ہو۔ یہ فون کس کا تھا؟“ اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا...... پھر جلدی سے سنبھل کر بولا۔ ”چاچو! میرا خیال ہے کہ تم شک کر رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ یہ مہوش نہیں کوئی انڈین ہیروئن ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں جس دیس کا کھاتا ہوں، اسی کا گاتا ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رہوں تو پاکستان میں اور محبت کی پینگیں بڑھاؤں کترینہ کیف اور ودیا بالن وغیرہ سے۔ ناٹ ایٹ آل۔“

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”مجھے ایک بات صاف صاف بتاؤ...... اگر تم نے......“

میری بات ادھوری رہ گئی۔ عمران ایک دم سامنے کھیلتے ہوئے ایک بچے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ میں نے بھی اس نوعمر بچے کو دیکھا۔ اس کے ساتھ دو خواتین تھیں۔ ایک ذرا بڑی عمر کی، دوسری نوجوان۔ دونوں لمبی چادروں میں تھیں۔ چہرے آدھے نقاب میں تھے۔ نوجوان عورت کو میں نے پہچان لیا۔ یہ وہی صوفیہ تھی جس کے لیے کراچی کے کمانڈو باکسر اور لاہور کے امیرزادے واجد کے درمیان چکر چلا تھا۔ واجد احمد اتفاقیہ فائرنگ کے نتیجے میں جاں بحق ہو چکا تھا۔ (اس کے وارث تلملائے پھرتے تھے) کمانڈو باکسر کہیں علاقہ غیر میں تھا۔ یہ محبت کی ایک عجیب...... اور ادھوری کہانی تھی۔ ایک شریف زادی اور ایک بدنام غنڈے کے درمیان ایک بے نام تعلق۔ کسی وقت لگتا تھا کہ اس کہانی کا انجام ہونا باقی ہے۔

عمران نے کہا۔ ”دیکھا چاچو! وہی پچھلا اپی سوڈ پھر جھلک دکھا رہا ہے۔ یہ صوفیہ ہی ہے۔ حالانکہ اسے اس طرح باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اس میں خطرہ ہو سکتا ہے۔“

”تو یہ تمہارے محلے دار ہیں۔ صوفیہ یا اس کے والد کو سمجھاؤ۔ واجد کے وارث ان کے لیے خطرہ پیدا کر سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے چاچو! نیک کام میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔“ وہ مجھے وہیں بیٹھا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور نپے تلے قدموں سے چلتا دونوں خواتین کے پاس پہنچ گیا۔

پتا نہیں کیوں مجھے لگتا تھا کہ وہ اہم موضوعات پر بات کرتے ہوئے مجھے چکما دینے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اب بڑے جوش و خروش کے ساتھ دونوں خواتین سے گفتگو کر رہا تھا اور وہ بھی ایسا رسپانس دے رہی تھیں جیسے عمران ان کا محلے دار نہیں، ان کے گھر کا فرد ہے۔

کچھ دیر بعد وہ میرے پاس واپس آ گیا۔ سلائڈ کی مرمت مکمل ہو چکی تھی، وہ میرے ساتھ گھر چلا آیا۔ میں نے اس لڑکی کی شادی کے بارے میں پوچھا جس کے لیے وہ رقم کا انتظام کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ بروز ہفتہ آٹھ تاریخ طے ہو گئی ہے۔ تقریب پارک میں ہی ہوگی۔

عمران جونیئر کے ساتھ اپنی اس ملاقات میں، میں نے اسے ٹٹولنے کی کافی کوشش کی۔ وہ حاجی فراز کے بارے میں کوئی ٹھوس بات بتا سکا اور نہ اس نے اپنے مال دار سکھ دوست کا ذکر کیا۔ نجانے کیوں مجھے شک ہونے لگا تھا کہ شاید یہی وہ جگو نامی سکھ ہے جو اسے مالی مدد فراہم کرتا ہے۔ اس مالی مدد کے لیے عمران نے کسی حاجی فراز کا نام لے لیا تھا۔ سوال یہ بھی تھا کہ وہ شخص اس کی مدد کیوں کرتا ہے۔ کہیں اس کے پیچھے کوئی مقصد تو نہیں تھا؟

☆☆☆

گھر میں ایک نجی ٹی وی چینل کے نمائندے آئے بیٹھے تھے۔ انہوں نے میری بیتی زندگی کے بارے میں ایک تفصیلی انٹرویو کیا تھا۔ خوبرو اینکر اپنے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے ادا سے بولی۔ ''ایک آخری سوال سر! آپ کی عمر 42 سال سے اوپر ہے۔ اس عمر میں آپ کی اس زبردست فٹ نس کا راز کیا ہے؟''

میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ دیوار پر آویزاں ثروت کی تصویر کو دیکھا اور کہا۔ ''میرے خیال میں میری اس کامیابی میں تین افراد کا ہاتھ ہے۔ ایک تو وہی عمران دانش جس نے ایک نہایت بُرے وقت میں مجھے سہارا دیا...... بلکہ موت کے منہ سے کھینچا۔ دوسرے میری مرحومہ شریکِ حیات جس نے مجھے گھریلو پریشانیوں سے آزاد زندگی دی اور مجھے میرے ''پیشن'' کے ساتھ جینے کے وافر مواقع فراہم کیے اور تیسرا وہ شخص جس نے مجھے زندگی کا فلسفہ سمجھایا۔''

''شاید آپ اپنے استاد باروندا جیکی کی بات کررہے ہیں؟'' ایک نمائندے نے کہا۔

''آپ ٹھیک سمجھے۔ یہ باروندا جیکی ہی تھا جس نے مجھے بتایا کہ جب ہم جسمانی تکلیف سہنا سیکھ جاتے ہیں اور اپنی قوتِ برداشت کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور اٹل یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں اس مشقت کا صلہ مل کررہے گا تو مارشل آرٹ سے متعلق حیران کن کامیابیاں ہماری جھولی میں آن گرتی ہیں۔''

''اور سر...... بالفرض...... اگر ایسا نہ ہوسکے تو پھر؟'' خوبرو اینکر پرسن نے پوچھا۔

''تو بھی وہ محنت اور مشقت رائگاں نہیں جاتی۔ اس کا صلہ ہمیں اپنی زندگی میں کسی نہ کسی صورت مل کررہتا ہے اور یہی اٹل یقین تھا جس نے مجھے بدترین حالات میں بھی مارشل آرٹس سے جوڑے رکھا۔''

میں نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ انٹرویو والے بھی سمجھ گئے تھے کہ انہوں نے مقررہ وقت سے کہیں زیادہ لے لیا ہے۔ وہ اٹھنے کے لیے تیار نظر آئے۔ اینکر پرسن ملتجی لہجے میں بولی۔ ''آپ ہمارے لیے جیتے جاگتے لیجنڈ ہیں سر۔ آخر میں بس ایک درخواست کرنی تھی آپ سے۔''

میں سمجھ گیا کہ اچھا بھلا انٹرویو کرنے کے بعد، وہ آخر میں کوئی احمقانہ فرمائش کرنے والی ہے۔ اس قسم کی صورت حال سے اکثر میرا پالا پڑتا رہتا تھا۔ اینکر پرسن نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنے بیگ میں سے قریباً پانچ مربع انچ کی دو ڈھائی فٹ لمبی لکڑی نکال لی۔ یہ نیم خشک شیشم کی تھی، وہ بولی۔ ''سر آپ کا منفرد ریکارڈ ہے کہ آپ اس سائز کی لکڑی کو کہنی کی ایک ضرب سے توڑ لیتے ہیں۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......''

غصے کی ایک لہر میرے اندر اٹھی لیکن میں آخر میں ان لوگوں کو بدمزہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ خود پر ضبط کرتے ہوئے میں نے کہا۔ ''ویری سوری...... فی الحال یہ ممکن نہیں۔ میرے کندھے میں کچھ کھچاؤ ہے، پھر کبھی سہی......''

میرا موڈ دیکھتے ہوئے ان لوگوں نے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ ابھی وہ رخصت ہوئے ہی تھے کہ میرے فون پر ماہین کی کال آ گئی۔ ''ہیلو انکلو، کہاں ہیں آپ؟''

''میں گھر میں ہی ہوں اور تم؟''

''میں ذرا باہر نکلی ہوئی تھی۔ ایک خاص چیز نظر آئی ہے جس کی وجہ سے آپ کو فون کیا ہے۔'' وہ چہکی۔ اداؤں کی طرح اس کی آواز میں بھی شوخی تھی۔

''کیا چیز؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک شیطانی چرخہ۔ جسے بعض لوگ موٹر بائیک کا نام دیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ وہ پھٹ پھٹی جسے آپ کے بھتیجے صاحب چلاتے ہیں۔ وہ گارڈن ٹاؤن کی ایک سڑک پر خراب کھڑی ہے...... بلکہ شاید مردہ کھڑی ہے اور آپ کے بھتیجے عمران اسے زندہ کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔''

''تم نے کب دیکھا؟''

''ابھی دو منٹ پہلے......'' وہ بے باکی سے بولی۔ ''دراصل میں حشام کے ساتھ گاڑی پر وہاں سے گزری ہوں۔ اتفاقاً نظر پڑ گئی اس عجوبے پر۔ غلط مطلب نہ لیجیے گا۔ عجوبے سے میری مراد موٹر بائیک ہی ہے۔'' اس کے لہجے میں مسکراہٹ تھی۔

''پچھلی ملاقات میں تم نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے

سوری بولنا چاہتی ہو۔ یہ سوری بولے بغیر ازالہ کرنے کا اچھا موقع تھا۔ تم لوگ اس کی ہیلپ کر سکتے تھے۔''

''میں نے دو سیکنڈ کے لیے سوچا تھا لیکن انکل کافی دیر ہوگئی ہے مجھے۔ گھر میں خالہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔ آپ اُسے فون کرلیں۔'' اس نے ذرا توقف کیا پھر اسی شوخ آہنگ لہجے میں بولی۔ ''ویسے میرا مشورہ ہے انکل تابش! اپنے بھتیجے سے کہیے کہ اس برگزیدہ موٹر سائیکل کی خطائیں اب معاف کردے۔ اسے بیچ کر اس میں تھوڑے اور پیسے ڈالے اور اچھی حالت کی بائیسکل لے لے۔''

ماہین نے تو یہ اطلاع دے کر اور گڈ نائٹ کہہ کر کال ختم کر دی لیکن میرے اندر ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ عمران اس وقت گارڈن ٹاؤن کے دوسرے چوراہے سے آگے ایک ذیلی سڑک پر تھا اور یہ وہی سڑک تھی جو سیدھی جگو سیٹھ کی کوٹھی کی طرف جاتی تھی۔ ماہین نے جو سچویشن بتائی تھی، اس کے مطابق موٹر بائیک کا رخ چوراہے کی مخالف سمت میں تھا۔ اس سے بہ آسانی یہ مطلب لیا جاسکتا تھا کہ عمران، جگو سیٹھ سے ملنے جارہا ہے۔ عمران اور جگو سیٹھ کے حوالے سے میرے ذہن میں کئی سوالات ابھر رہے تھے۔ ایکا ایکی ذہن میں ایک خیال آیا اور میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

رات سرد تھی۔ کچھ دھند بھی تھی۔ ٹریفک کم تھا۔ میں اپنی گرے کلٹس پر بیس پچیس منٹ میں گارڈن ٹاؤن پہنچ گیا۔ جگو سیٹھ کی کوٹھی ڈھونڈنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ اچھی عمارت بنی ہوئی تھی۔ میں سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ گیٹ زیادہ اونچا نہیں تھا۔ پورچ کی روشنی میں مجھے کالے رنگ کی ہیوی بائیک کی جھلک نظر آگئی۔ کنفرم ہوگیا کہ عمران اندر ہی موجود ہے۔ میں واپس آیا اور ایک بار پھر کوٹھی کے سامنے سے گزرا۔ گارڈ کی موجودگی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ میں کوٹھی کی عقبی سڑک پر گیا تو ایک موافق صورت حال نظر آئی۔ کوٹھی کے عقب میں پلاٹ خالی تھا۔ غالباً تعمیر شروع ہونے والی تھی۔ دو جگہ اینٹوں کا اسٹاک دکھائی دے رہا تھا۔ میں بڑے اچھے اور ''ایڈونچرس'' موڈ میں تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ ڈائریکٹ ایکشن لے کر کچھ کھوج لگایا جائے۔ ایسے موقعوں پر عموماً میرا جگری، میرا ہمدم عمران دانش میرے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ ہمارے جسموں میں جوش کی ایک ہی جیسی لہر دوڑا کرتی تھی...... اب وہ نہیں تھا، اور تغیرِ زمانہ یہ تھا کہ یہاں اسی عمران دانش کا بیٹا تھا، میں جس کا کھوج لگانا چاہ رہا تھا، جاننا چاہ رہا تھا کہ کہیں اس کے حوالے سے کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے۔

میں نے گاڑی خالی پلاٹ کے قریب کھڑی کی پھر احتیاط سے دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی متنفس نہیں تھا، اردگرد کوئی سی سی ٹی وی کیمرا بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پلاٹ میں تاریکی تھی۔ میں ٹہلنے والے انداز میں پلاٹ کے اندر چلا گیا پھر ترتیب سے رکھی ہوئی اینٹوں کے اوپر چڑھا...... چار دیواری اینٹوں سے بس چار پانچ فٹ ہی اونچی تھی۔ میں نے اندر جھانکا۔ وسیع کوٹھی میں بس کہیں کہیں روشنی تھی۔ کوئی آہٹ کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ میں نے تیزی سے دیوار پھاندی اور اندر کود گیا۔ ربر سول والے جوتوں کی وجہ سے آواز پیدا نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر تک سن گن لینے کے بعد میں نے دو عقبی دروازوں کو چیک کیا۔ وہ اندر سے بند تھے۔ ایک جالی دار دروازے میں سے جھانکا۔ قالین پوش راہداری تھی۔ ایک دیوار پر گرونا تک دیو کی دو پینٹنگز آویزاں تھیں۔ سامنے والے کسی کمرے سے ڈی وی چلنے کی مدھم آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا پھر دبے پاؤں چل کر کوٹھی کے بغلی کوریڈور کی طرف آگیا۔ یہ کوریڈور یعنی بغلی گلی کوٹھی کے اوپن ایریا کا حصہ تھی۔ گلی کے دو تہائی حصے کو فائبر کے ایک نیم گول شیڈ نے ڈھانپ رکھا تھا۔ یہاں نیم تاریکی تھی۔ اچانک کچھ مدھم آوازوں نے میرے قدم جکڑ لیے۔ یہ آوازیں گلی کے گول شیڈ والے حصے کی طرف سے ہی آرہی تھیں۔ میں جھک کر چلتا ہوا ایک کھڑکی کے قریب پہنچا۔ آوازیں کچھ اور واضح ہوگئیں۔ تھوڑی سی کوشش کے ساتھ میں اس کھڑکی میں ایک درز ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگیا۔ اندر ویلوٹ کا سرخ پردہ سرکا ہوا تھا۔ مجھے ایک تندرومند شخص کی پشت نظر آئی۔ وہ صوفے پر بیٹھا تھا، اس کا لباس قیمتی تھا، مجھے صرف نیلی شرٹ نظر آرہی تھی۔ ایک نہایت قیمتی موبائل فون اس کے سامنے شیشے کی تپائی پر رکھا تھا۔ اس کے سامنے جو شخص سنگل صوفے پر براجمان تھا، وہ کوئی اور نہیں عمران تھا۔ مجھے اس کا سائیڈ پوز دکھائی دیا۔ وہ اپنے بے ڈھنگے لباس میں تھا۔ ''شکریہ گاڈ فادر۔'' عمران کی مدھم آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

فربہ اندام شخص نے گلاس سے ایک چسکی لی۔ یقیناً یہ وہسکی وغیرہ ہی تھی۔ وہ پاٹ دار آواز میں بولا۔ ''شکریہ کس بات کا پتر جی، یہ آپ ہی کا پیسا ہے۔ آپاں تو نوکر ہیں تمہارے۔'' پھر اس نے قمیص کی بغلی جیب سے اپنا پرس نکالا اور کوئی کاغذ نکال کر عمران کی طرف بڑھایا۔ ''یہ Remittance کل آئی ہے آپ کی ماتا کی طرف

سے۔ میرا خیال ہے قریباً چھ ہزار پاؤنڈز ہیں۔''
عمران نے کاغذ دیکھ کر بے پروائی سے ایک طرف رکھ دیا۔ ''یہ ذرا مشکل کام ہے گاڈ فادر جی! پہلے رقم انڈیا سے لندن جاتی ہے، تمہارے اکاؤنٹ میں منتقل ہوتی ہے، پھر یہاں پہنچتی ہے۔''
''بادشاہ زادے، تمہیں کیا پریشانی ہے۔ آپاں نے کون سا کسی خچر پر نوٹ لاد کر یہاں لانے ہوتے ہیں۔ تم پن (ثواب) کا کام کر رہے ہو، اس میں تھوڑا بہت حصہ آپاں کا بھی پڑ جاندا ہے۔''
عمران نے موبائل فون کے کیلکولیٹر پر کچھ حساب جوڑتے ہوئے کہا۔ ''گاڈ فادر جی، بدھ کے روز جو پچاس ہزار تم نے بھیجے تھے وہ...... اور پرسوں جو پانچ لاکھ تم سے لیے تھے وہ بھی اس میں سے کاٹ لینا......''
''چلو کاٹ لیں گے پتر جی، پر یہ پنج لاکھ دیا کس کو ہے؟''
''وہی رفیق صاحب جس کا ذکر کیا تھا میں نے تم سے۔ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ سخت ضرورت مند لوگ ہیں۔''
''چنگی بات ہے۔ واہگرو تمہاری ان کوششوں کو قبول کرے...... جب میں تمہارے یہ کام دیکھتا ہوں، مجھے وشواس ہو جاندا ہے کہ تمہارا کاروبار اور ترقی کرے گا۔''
میں سناٹے کی کیفیت میں یہ باتیں سن رہا تھا...... مجھ پر انکشاف ہو رہا تھا کہ عمران دانش کا یہ بے روزگار بیٹا، جو چند ماہ پہلے پاکستان میں وارد ہوا ہے اور جو ''تنگ دستی'' کے عالم میں لاہور کی ایک متوسط آبادی میں رہ رہا ہے...... (اور پھٹیچر موٹر سائیکل پر گھوم رہا ہے) حقیقت میں ایک امیر کبیر نوجوان ہے۔
جس فربہ اندام شخص کی مجھے صرف پشت نظر آ رہی تھی، یقیناً یہی جگو سیٹھ تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر الکحل کا ایک اور گھونٹ لیا اور بھاری آواز میں بولا۔ ''پتر جی! اور آلے دوالے کا کیا حال چال ہے؟ وہاں جھانسی میں تمہاری غیر موجودگی میں کاروبار کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہو رہا؟''
''نہیں گاڈ فادر جی۔'' عمران نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ ''تم کو بتایا تھا نا کہ اللہ پاک نے مجھے جو منیجر دیا ہے، سمجھو کہ فرشتہ ہی بھیجا ہے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی ماں جی بھی وقت نکال کر چکر لگا لیتی ہیں۔''
عمران نے آگے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن میں سن نہیں سکا، اچانک ہی میرے سر پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔
میرے سر کے عقبی حصے پر کسی وزنی شے سے ضرب لگائی گئی تھی۔ میں سر پکڑ کر رکوع کے بل جھک گیا۔ یہ میری اضافی قوتِ برداشت ہی تھی جس نے مجھے انٹاغفیل ہونے سے بچا لیا تھا۔ ضرب کے ساتھ ہی کسی نے مجھے عقب سے اپنے مضبوط بازوؤں میں جکڑ لیا۔ میں ایک ساعت ضائع کیے بغیر الٹے قدموں پیچھے ہٹا اور حملہ آور کو پوری شدت کے ساتھ پختہ دیوار سے ٹکرا دیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ حملہ آور میرے جسم پر اپنی گرفت برقرار نہیں رکھ سکے گا لیکن یہ جان کر سخت تعجب ہوا کہ اس نے شدید چوٹ کے باوجود اپنی گرفت نرم نہیں ہونے دی۔ مجھے عجیب سا شک ہوا۔ یوں لگا جیسے عقب سے میرے ساتھ لپٹا ہوا حملہ آور مرد نہیں، کوئی عورت ہے۔ اس کے جسم کی ساری ساخت مجھ پر واضح ہو رہی تھی مگر کیا ایک عورت اتنی سخت جان ہو سکتی تھی؟
اگلے ہی لمحے صورتِ حال مزید واضح ہو گئی۔ دوسرے حملہ آور نے مجھ پر سامنے سے یلغار کی۔ یہ بھی ایک عورت ہی تھی لیکن کوئی عام عورت نہیں تھی۔ چوڑے چکلے جسم کی جوان اور نہایت مضبوط عورت۔ وہ یونیفارم طرز کے لباس میں تھی۔ شلوار قمیص اور چوڑی بیلٹ جو کمر کے گرد کسی ہوئی تھی۔ چوڑے رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور جبڑا نہایت مضبوط۔ مجھے اس کی بیلٹ کے ساتھ پستول لٹکا ہوا نظر آیا، وہ اپنا ہاتھ اس پستول کی جانب ہی بڑھا رہی تھی۔ یہ سارا منظر میں نے سیکنڈ کے دسویں حصے میں دیکھا۔ غضب ناک عورت نے مجھ پر گالیوں کی بوچھاڑ کی اور پستول نکالنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی میری دونوں ٹانگوں کی بھرپور ٹھوکر اس کے سینے پر لگی اور وہ کراہتی ہوئی دور جا گری۔ وہ گرتے ہوئے کسی ڈیوائس سے ٹکرائی تھی، جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا یہ یو پی ایس کا یونٹ تھا۔ دھماکے کے ساتھ شارٹ سرکٹ کی آواز آئی اور پوری کوٹھی تاریکی میں ڈوب گئی۔
عقب سے لپٹی ہوئی جنگجو عورت نے مجھے جکڑ تو رکھا تھا لیکن میرے بازو آزاد تھے۔ میں نے اپنی کہنی کی یادگار ضرب اس کی پسلیوں میں لگائی۔ پسلی چٹخنے کی آواز واضح سنائی دی۔ عورت کی گرفت ڈھیلی پڑی۔ میں تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکل گیا۔ تب تک سامنے والی حملہ آور پھر مجھ پر جھپٹ چکی تھی، وہ مجھ پر آتشیں گالیوں کی بوچھاڑ کر رہی تھی۔ اس نے میرے سینے پر اپنے فولادی سر کی ضرب لگائی پھر کوئی تیز دھار چیز میری کلائی کو چیر گئی۔ اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا مگر یقیناً یہ کوئی خنجر وغیرہ تھا۔ اس سے یہ بھی پتا چل رہا تھا کہ فرش بوس ہونے کے بعد

پستول اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

تیز دھار آلے کا دوسرا وار میرے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے اس کا دایاں بازو دبوچ لیا اور طاقت سے مروڑ کر تیز دھار آلہ اس کی گرفت سے چھڑا دیا۔ دوسری حملہ آور اپنی پسلی پر نہایت سنگین ضرب کھانے کے باوجود پسپا ہونے کو تیار نہیں تھی۔ وہ غضب ناک انداز میں چنگھاڑتی ہوئی جھپٹی۔ میں نے اس کی ساتھی کو گھما کر اس پر دے مارا۔

ایسی خطرناک، کڑک عورتوں سے میرا واسطہ پہلے کبھی نہیں پڑا تھا۔ وہ جو زبان بول رہی تھیں وہ میرے اندازے کے مطابق ترکی تھی۔ ان کے خدوخال بھی ترک تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ جن ترک عورتوں کے بارے میں میرا اور میرے مخبر نوشا کا خیال تھا کہ وہ شاید موج میلے کے لیے یہاں لائی گئی ہیں، وہ موج میلے کے لیے نہیں لائی گئی تھیں، وہ یہی آفت زادیاں تھیں۔ وہ میرے ساتھ یوں برسرِ پیکار تھیں جیسے پرانی دشمن ہوں اور اسی جگہ مجھے لاش میں تبدیل کردینا چاہتی ہوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید ان کے اس مہلک حملے سے جانبر نہ ہوسکتا۔ میں پانچ دس سیکنڈ کے اندر اندر سنبھل گیا اور پھر ان دونوں پر کاری وار کیے۔ ''مضروب پسلی والی'' ایک دروازے کا شیشہ چکنا چور کرتی ہوئی ایک برآمدہ نما جگہ پر جاگری اور دوبارہ نہ اٹھ سکی۔ دوسری کا پیش قبض نما خنجر اس کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور میں نے اس کے ہیولے کو اپنے گھٹنے کے نیچے دبا لیا تھا۔

یہ سارے کا سارا واقعہ بس دس پندرہ سیکنڈ کے اندر ہی وقوع پذیر ہوگیا تھا۔ یکایک مجھے لگا کہ تاریکی میں کسی نے عقب سے آکر میری گردن میں لوہے کا شکنجہ ڈال دیا ہے۔ بہت سخت گرفت تھی۔ میرے دل نے پکار کر کہا...... یہ میرے یار عمران دانش کے بیٹے کی گرفت ہے۔ میں اس گرفت کو اور اس کی لڑائی کے سارے داؤ پیچ کو اپنے ہاتھ کی لکیروں کی طرح جانتا تھا۔ (وہ جوش و خروش کی انتہا کا دور تھا، وہ دیوانگی کا زمانہ تھا۔ کبھی کبھی میں اور عمران دانش بے وجہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے تھے۔ مار مار کر ایک دوسرے کو لہولہان کر دیتے تھے۔ چوٹیں راحت پہنچاتی تھیں، تکلیفیں جسم میں مزید امنگ ترنگ جگاتی تھیں، مضطرب لہو کی گردش تیز کرتے تھے اور موت ہمیں دیکھ کر دائیں بائیں سرک جاتی تھی) ہاں، یہ اسی عمران دانش کا بیٹا تھا۔ میں اسے کوئی جوابی چوٹ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ گہری تاریکی تھی اور یقیناً اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ جس پر عقاب کی طرح جھپٹا ہے، وہ کوئی اور نہیں اس کا ''چاچو یار'' ہے۔ میں اسے بتا دینا چاہتا تھا لیکن میری گردن پر اس کے بازو کی گرفت اتنی سخت تھی کہ میں نے بولنا چاہا تو گلے سے آواز نہیں نکل پائی۔ کاش لائٹ آجائے...... میں نے سوچا۔

کمک پہنچنے کے بعد ترک گارڈ پھر شیر ہوگئی۔ وہ چلاتی ہوئی مجھ پر جھپٹی لیکن پھر ٹانگ کھا کر لڑکھڑا گئی۔ اسی دوران میں عمران جونیئر نے مجھے پوری طاقت سے گھما کر دیوار سے دے مارا۔ میرا سر دیوار سے ٹکراتا تو چیخ کر رہ جاتا۔ میں نے اس کا توڑا اپنے ہاتھ کو چہرے کے سامنے لاکر کیا اور سر کی شدید چوٹ سے بچ گیا۔ ''عمران یہ میں ہوں۔'' میں نے اسے تاریکی میں پھر پکارنا چاہا لیکن ظالم نے گردن کو یوں جکڑ رکھا تھا کہ آواز ناقابلِ شناخت ہوکر رہ گئی تھی۔ اب مزید بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں آرہی تھیں۔ یقیناً یہ بھی گارڈز وغیرہ ہی تھے۔ مجبوراً میں نے اپنے دائیں آزاد ہاتھ سے عمران کی پسلیوں پر کہنی کی جچی تلی ضرب لگائی جسے اس نے کافی حد تک بچا لیا۔ تاہم اس دوران میں اس کی توجہ ایک لمحے کے لیے میرے سر کی جانب سے ہٹ گئی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر سر کے عقبی حصے سے چوٹ لگائی۔ میرے گلے پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو میں نے ''پہلی فرصت'' میں وہ کام کیا جو کرنا چاہتا تھا۔ ''عمران، یہ میں ہوں۔'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

ایک دو سیکنڈ کے لیے عمران جیسے سن ہوگیا۔ میں اس کی گرفت سے نکل آیا۔ یہی وقت تھا جب دو تین موبائل فون ٹارچز کی روشنی نے تاریکی کو دور کر دیا۔ عمران ہکا بکا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھ پر پھر سے جھپٹنے والی ''ترک فائٹر'' بھی ٹھٹک کر رک گئی۔ اس کا تھوبڑا خون سے رنگین ہو رہا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' ہانپتے کانپتے جگو سیٹھ کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ وہ رائفل بدست موقع پر آن موجود ہوا تھا۔

عمران نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ پھر ترک جنگجو اور دوسرے گارڈز کو بھی ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ تب جھپٹ کر اس نے ترک جنگجو عورت کے ہاتھ سے خنجر بھی نکال لے، (جو اس نے روشنی ہونے کے بعد دوبارہ اٹھا لیا تھا)

''چاچو جی! تم یہاں؟'' وہ ششدر تھا۔

پھر اس کی نگاہ میری زخمی کلائی پر پڑی، جہاں گہرا کٹ تھا اور خون کے قطرے مسلسل گر رہے تھے۔ ”اوہ گاڈ، چاچو جی، تم تو زخمی ہو۔“ اس نے میری کلائی پکڑ لی۔ وہ مجھے لیتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا۔

”کچھ نہیں، میں ٹھیک ہوں۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔

”لیکن خون تو بند کرنا ہے نا۔“ وہ بولا۔

چکنا چور شیشے کے قریب دوسرے ترک جنگجو نیم بے ہوش پڑی تھی۔ ”فادری! پلیز، تم اس کو دیکھو۔“ عمران نے جگو سیٹھ سے مخاطب ہو کر بے سدھ عورت کی طرف اشارہ کیا۔ چند لمحے بعد میں اور عمران اسی کمرے میں تھے جہاں میں نے تھوڑی دیر پہلے اسے اور جگو سیٹھ کو بیٹھے دیکھا تھا۔ اسی دوران میں کوٹھی کی برقی رو بحال ہو گئی۔ روشنی ہوئی تو میں نے اور عمران نے ایک دوسرے کو دھیان سے دیکھا جہاں میرے سر کی ضرب لگی تھی وہاں عمران کے رخسار پر نیلگوں ابھار نمودار ہو چکا تھا۔

وہ میری کلائی پر ایک رومال باندھتے ہوئے ششدر لہجے میں بولا۔ ”یہ سب کیا ہے چاچو؟“

”میں بھی یہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کیا ہے؟“

اس نے ایک لمبی سانس لی۔ ”تو اس کا مطلب ہے، میرا چاچو میری جاسوسی کرتے ہوئے یہاں پہنچا ہے......“

”جب بھتیجا کچھ زیادہ ہی ”غریب“ اور لاچار ہو تو اس کی خبر تو رکھنی پڑتی ہے نا۔“ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

عمران نے ہونٹ سکیڑے اور گہری نظروں سے میری طرف دیکھنے کے بعد بولا۔ ”اس کا مطلب ہے چاچو! کہ تم نے میری اور چاچا جگت سنگھ کی باتیں بھی سنی ہیں۔“

”کون جگت سنگھ؟“

یہی وقت تھا جب جگو سیٹھ اندر داخل ہوا۔ اس کے لمبے کرتے کے نیچے درمیانے سائز کی توند بھی ابھری ہوئی نظر آتی تھی۔ اس کوٹھی میں داخل ہونے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے سامنے سے جگو سیٹھ کو دیکھا تھا۔ دماغ میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا۔ یہ شکل کچھ جانی پہچانی تھی پھر لگا ہوں کے سامنے جھماکا سا ہوا۔ برسوں پہلے کا وہ نڈر جگت سنگھ یاد آ گیا جو میرے اور عمران دانش کے ساتھ ہی انڈیا کی بارڈر فورس کو پچھاڑ کر پاکستان پہنچا تھا۔ ان دنوں وہ اپنی محبوبہ اور اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے شعلہ جوالہ بنا ہوا تھا...... جگت سنگھ نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی دکھائی دی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ یہاں لاہور میں میری موجودگی سے پہلے ہی باخبر تھا۔ شاید اس نے مجھ سے جان بوجھ کر رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ ”بھرا جی“ کہتا ہوا مجھ سے بغلگیر ہو گیا۔ اس کوٹھی میں میری موجودگی عمران کی طرح جگت سنگھ کو بھی حیرت زدہ کر رہی تھی۔ جگت سنگھ بھی سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتا اور کبھی عمران کی طرف۔ ”یہ سب کیا ہے بادشاہ زادو۔ آپاں کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا؟“

عمران نے کہا۔ ”فادری، یہ سب لمبی کہانی ہے۔ ڈھیروں سوال ہیں اور ڈھیروں جواب بھی ہیں۔ میرے خیال میں زیادہ سوال تو چاچو تابش کے ذہن میں ہوں گے۔ آرام سے بیٹھ کر یہ سوال جواب کریں گے۔ فی الحال تو تمہاری دونوں گارڈز زخمی ہیں ان کو دیکھو اور باقی ملازموں کو بھی مطمئن کرو۔ میں چاچو کی چوٹ کی ڈریسنگ کرواتا ہوں۔“

جگت سنگھ جذباتی نگاہوں سے میری جانب دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ عمران نے کلائی کے کٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہڈی تک چلا گیا ہے۔“

میں نے کہا۔ ”پیٹ میں گھس کر ریڑھ کی ہڈی تک بھی جا سکتا تھا...... سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خوفناک عورتیں کیوں پال رکھی ہیں تم لوگوں نے ...... اور انہوں نے اتنی بے رحمی سے مجھ پر حملہ کیوں کیا؟“

”چاچو جی! تم نے بھی تو کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دونوں زخمی ہیں، ایک تو بے ہوش ہے اور اسپتال روانہ ہو گئی ہے...... دراصل ہوا یوں ہے کہ یہ کسی اور کے لیے ”بے رحم“ ہو رہی تھیں۔ اتفاقاً ان کے ریڈار پر تم آ گئے۔“

”کیا مطلب؟ کس پر بے رحم ہو رہی تھیں؟“

جواب میں عمران نے جو کچھ بتایا، اس سے پتا چلا کہ کوٹھی میں پچھلے دو مہینوں کے دوران میں دو بار چوری اور ایک بار ڈکیتی ہو چکی ہے۔ جگت سنگھ نے (جسے عمران پیار سے گاڈ فادری کہتا تھا) دو گارڈز کا انتظام تو کر رکھا تھا لیکن زنانے حصے میں سیکیورٹی کے لیے اس نے ترکی سے یہ دو اسپیشل زنانہ گارڈز منگوائی تھیں۔ انہیں پیش آمدہ خطرے کے حوالے سے پوری طرح ہوشیار اور چارج کیا گیا تھا۔ یہی ”چارج شدہ“ گارڈز مجھے ”گھس بیٹھیا“ جان کر مجھ پر پل پڑی تھیں اور دمادم مست قلندر کر دیا تھا۔

☆☆☆

رات کے ڈھائی بج چکے تھے۔ میں اور عمران جگت

سنگھ والی کوٹھی میں ہی موجود تھے۔ میں جگت سنگھ کے بارے میں کافی کچھ جاننا چاہتا تھا مگر عمران کا خیال تھا کہ جگت سنگھ یہ سب کچھ اپنی زبانی ہی بتائے گا تو زیادہ اچھا ہوگا۔ جگت سنگھ فی الوقت اپنی ترک گارڈ کی دیکھ بھال کے لیے اسپتال میں ہی تھا۔ ترک گارڈ کا ایک ایمرجنسی آپریشن ہوا تھا...... ابھی اس کی حالت کے بارے میں کوئی تسلی بخش خبر نہیں تھی۔ اس کی پسلی دو ٹکڑے ہوگئی تھی۔

عمران کے استفسار پر میں نے اسے بتا دیا تھا کہ کسی طرح ماہین نے سرِراہ گزرتے ہوئے اس کی خراب موٹر بائیک کو دیکھا اور کس طرح مجھے شک ہوا کہ وہ یہاں جگو سیٹھ کی کوٹھی میں موجود ہے۔ میں اسے صاف لفظوں میں یہ بھی بتا چکا تھا کہ میں نے اپنے ایک انفارمر سے اس کی تھوڑی سی نگرانی بھی کرائی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اس کی (عمران کی) بھلائی کے لیے ہی میں اس کے ذرائع آمدنی جاننا چاہ رہا تھا۔

اسی دوران میں پرائیویٹ اسپتال سے وہ خبر آگئی جس کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ جگت سنگھ نے فون پر بتایا کہ ترک گارڈ اب ہوش میں آگئی ہے، اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔

اس اطمینان بخش اطلاع کے بعد عمران نے گرین ٹی اور کچھ لوازمات منگوائے۔ جگت سنگھ کی بیوی اپنے مقامی عزیزوں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ چائے وغیرہ ملازمین نے ہی پیش کی۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے میں دھیان سے عمران کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اب اداس بکرے کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ میں اس سے تیکھے سوال کرنے والا ہوں۔ آخر خود ہی بول اٹھا۔ ''چاچو، جو پوچھنا ہے، پوچھ لو۔ خواہ مخواہ میرا پیشاب خشک مت کرو۔''

''پیشاب نہیں ''خون'' خشک ہوتا ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔

''جب ڈر زیادہ ہو تو محاورے آگے پیچھے ہو ہی جاتے ہیں۔'' اس نے رونی صورت بنائی۔

میں نے کہا۔ ''زیادہ ایکٹنگ مت کرو۔ مجھے صرف ایک بات بتا دو۔ اس طرح کے پاکھنڈ تم کیوں کرتے ہو؟''

''کس طرح کے پاکھنڈ؟'' اس نے دائیں بائیں دیکھا۔

''عمران میں سیریس ہوں۔'' میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تم مجھ سے بھی جھوٹ بولتے رہے ہو۔ ایک طرف مجھے ''چاچو، چاچو'' کہتے تمہاری زبان

مجبوری

ایک شرابی ریلوے بکنگ آفس پر ایک شخص کو اپنے کندھے پر سوار کیے پہنچا اور ٹکٹ بیچنے والے سے کہا۔ ''مجھے روہڑی کا ایک ٹکٹ دے دو۔''

ٹکٹ بیچنے والے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ اور بولا۔ ''اس شخص کا ٹکٹ نہیں لوگے جو تمہارے کندھوں پر سوار ہے؟''

''یہ شخص۔'' شرابی نے جواب دیا۔ ''یہ تو میرا بچہ ہے اور ابھی اس کی عمر چھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی ہے۔''

''چھ سال سے کم عمر کا بچہ ہے؟'' ٹکٹ بیچنے والے نے کہا۔ ''کیوں بے وقوف بناتے ہو یہ شخص چھ فٹ لمبا ہے، اس کا وزن کم سے کم ستر کلو ہوگا اور اس کی داڑھی کسی حال میں بھی تین انچ سے کم نہیں ہے پھر بھی تم اسے بچہ کہہ رہے ہو؟''

شرابی نے کندھے پر سوار شخص کو زمین پر دے پٹکا اور آنکھیں نکال کر بولا۔ ''گدھے میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اپنی داڑھی منڈھوا دو۔ اب مجبوراً مجھے تمہارا بھی ٹکٹ لینا پڑے گا۔''

مرسلہ: عبدالغفار کوثر، اورنگی کراچی

سوکھتی ہے اور دوسری طرف مجھے بے وقوف بھی بناتے رہے ہو۔ تم...... ایک...... مال دار شخص ہو۔''

وہ بھی سنجیدہ نظر آنے لگا، بولا۔ ''چاچو جی! غلط نہیں کہہ رہا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد میں تمہیں بھی سب کچھ سچ سچ بتا دیتا لیکن فی الحال حوصلہ نہیں پڑ رہا تھا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ اپنے اردگرد جو خول سا میں نے بنایا ہوا ہے، اس میں کوئی تریڑ (دراڑ) نہ پڑ جائے۔''

''خول چڑھانے کو اور بہروپ بھرنے کو ہی تو ڈراما بازی کہتے ہیں۔''

وہ چند لمحے تک عجیب نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا، پھر بولا۔ ''چاچو جانی! چلیں، یہ ڈرامے بازی ہی سہی...... لیکن پلیز...... مجھے اس ڈرامے بازی کے ساتھ رہنے دو۔ اس حوالے سے مجھ پر کسی طرح کا زور نہ ڈالنا۔''

میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ وہ اپنے خوب

صورت بالوں میں انگلیاں چلا کر اسی کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔ ''چاچو! میں ان لوگوں جیسا بن کر ان لوگوں کے درمیان رہنا چاہتا ہوں، ان کے دکھ سکھ کو ان کی غمی خوشی کو بہت قریب سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں دور رہ کر ان مسائل کو جان ہی نہیں سکتا جو ان تنگ گلی کوچوں میں پھلتے پھولتے ہیں، نہ ان بیماریوں اور تکلیفوں کو جان سکتا ہوں جو ان تاریک بوسیدہ کمروں میں جنم لیتی ہیں...... اور نہ ان سسکیوں سے باخبر ہوسکتا ہوں جو صرف کان لگا کر سنی جاسکتی ہیں...... مجھے یہ سب کچھ دیکھنے اور سننے دو چاچو جی! مجھے وہ ذمے داری نبھانی ہے جو آپ کے دوست اور میرے پاپا نے مجھ پر ڈالی ہے۔''

وہ خاموش ہو گیا۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ بات تو وہ بالکل درست کہہ رہا تھا۔ اور یہ بات بہت ظرف مندی والی بھی تھی۔ وہ بغیر سامنے آئے، بغیر کسی نمود و نمائش کے اپنی ہمت طاقت کے مطابق اپنے اردگرد کے دکھی لوگوں کے آنسو پونچھ رہا تھا۔ اس کے لیے اس نے کسی حاجی فراز کا نام گھڑ لیا تھا اور اپنی ساری کوششوں کو بڑی خاموشی کے ساتھ اس کے کھاتے میں ڈال رہا تھا...... ان لمحوں میں نجانے کیوں میری نگاہوں کے سامنے چند دن پہلے، ٹی وی اسکرین پر دیکھے ہوئے کچھ مناظر آ گئے۔ وہی فربہ اندام سیاست داں جو آٹے کا تھیلا، مفلوک الحال لوگوں کے سروں پر رکھتا تھا اور مسکرا مسکرا کر تصویریں اتروا تا تھا۔ آفت اور مصیبت کے دنوں میں ایسے مناظر اس وطنِ عزیز میں نجانے کتنی جگہ بکھر جاتے ہیں، کتنی جگہ غربت کو تماشا بنایا جاتا ہے۔

ماحول بہت بوجھل ہو گیا تھا۔ اچانک ایک فون کال نے صورتِ حال تبدیل کر دی۔ رات کے ڈیڑھ بجے آنے والی یہ کال ماہین کی طرف سے تھی۔ ''ہیلو انکل...... ماہی بول رہی ہوں۔ کہیں آپ سو تو نہیں گئے تھے؟''

''بس سمجھو، سونے ہی والا تھا۔''

''سوری، میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔ وہ دراصل آپ کے بھتیجے کے بارے میں پوچھنا تھا۔ کیا بنا اُس کا؟''

''ہاں ٹھیک ہو گئی تھی اس کی بائیک، واپس گھر آ گیا تھا۔''

''چلیں...... میں نے سوچا اتنی سردی میں، کہیں وہیں اٹکا نہ پڑا ہو۔ ترس آرہا تھا اس پر...... او کے گڈ بائے، گڈ نائٹ۔'' اس نے کھنکتی آواز میں کہا۔

''گڈ نائٹ۔'' میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

عمران سمجھ گیا کہ ماہین کا فون تھا۔ ''اس کو کیا فکر لاحق ہوگئی؟'' اس نے منہ بنا کر کہا۔

''ہاں...... یہ تو واقعی سوچنے کی بات ہے۔'' میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

ایک دم عمران کا سنجیدہ موڈ ہوا ہو گیا۔ وہ اپنی اسی چلبلی ڈگر پر واپس آگیا جو ہر گام پر کئی کئی بل کھاتی تھی، بولا۔ ''چاچو جانی! اب دیکھو تم خود مجھے راہ دکھا رہے ہو، وہ کیا کہتے ہیں پنجابی میں، اشکل دے رہے ہو۔ تم نے میری امید کے بجھے چراغوں میں پھر تیل ڈال دیا ہے۔''

''میں نے کیا، کیا ہے؟''

''تم مسکرائے ہو چاچو، حالانکہ تم ماہین کے ذکر پر نیم کے پتے چبانے لگتے ہو جو ہر وقت کڑوے پتے چبائے، وہ ذرا سا مسکرا بھی دے تو یہ بہت بڑی خبر ہوتی ہے۔''

''کوئی خبر شبر نہیں ہے۔ اس کو بس ترس آیا ہے تم پر۔''

''اب تم جو مرضی کہہ لو چاچو جی، لیکن یہ جو تم مسکرائے ہو نا، یہ مسکراہٹ اب تم واپس نہیں لے سکتے۔ تم نے جو آس میرے اندر جگائی ہے چاچو، اب وہ بڑھتی جائے گی، بڑھتی ہی جائے گی...... اور پھر ایک دن......''

''تم اس سے باقاعدہ جوتے کھا لو گے۔'' میں نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''چاچو مجھے انڈر اسٹیمیٹ کر رہے ہو تم۔ مجھے آج تک کوئی جوتا نہیں مار سکا۔ اگر کسی نے مارا ہے تو میں نے لگنے نہیں دیا۔ اگر لگا بھی ہے تو بس اچٹتا سا۔ جیسے بوسہ دے کر گزر گیا ہو۔'' وہ فخریہ انداز میں مسکرایا۔

''اچھے ایکٹر ہو۔ کامیڈی فلموں میں چانس بن سکتا ہے تمہارا۔'' میں نے اس کا شانہ تھپکا۔

یہی وقت تھا جب قریبی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کی کھڑکھڑاہٹ گونجی اور پھر اعلان ہونے لگا۔ ''حضرات، ضروری اعلان سماعت فرمائیں۔ حاجی فراز صاحب کی فری ڈسپنسری میں بچوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر تشریف فرما ہیں۔ وہ آج اور کل رات آٹھ بجے تک بچوں کا مفت معائنہ کریں گے۔ ادویات بھی دی جائیں گی۔ اہالیانِ علاقہ سے گزارش ہے کہ......''

اعلان جاری رہا۔ میں عمران کی طرف دیکھتا رہا جو اب اپنے خستہ حال موبائل فون کے اندر ماچس کی تیلی پھنسا کر اسے چارج کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

❖❖❖

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

❖ گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔

❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔

❖ ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

❖ اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔

❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔

❖ عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔

❖ **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**

❖ اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117 0343-7008883 0333-8033313

محمد سلمان سلیم پاکستان زندہ باد راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد **پاکستان پائندہ باد**

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو